موجود ہیں۔ان کے پاس حکومت وثروت نہ تھی مگر وہ دماغوں پر چھا جاتے اور دلوں پر حکومت کرتے

نے تاج وتخت میں نے لشکر وسپاہ میں جو بات مردِ مومن کی بات میں ہے

علامہ مرحوم کی مجلس بڑی متنوع ہوتی۔ جامعہ کے معاملات طے ہو رہے ہوتے... خطوط کے جوابات لکھوائے جا رہے ہوتے... ملاقاتیں ہو رہی ہوتیں... ساتھ ساتھ تبلیغی دورے کے پروگرام بن رہے ہوتے... ساتھ ساتھ ہر ملاقاتی سے حسبِ حال گفتگو جاری رہتی اور وہ بیک وقت ان سب امور کی انجام دہی کمال انہماک سے کرتے رہتے اور مہمانوں کی خاطر مدارت کا سلسلہ بھی چلتا رہتا۔ اکتاہٹ یا بوریت کا نشان تک نہ ہوتا اور یہ ہرگز نہ ہوتا کہ وہ کبھی تھک کر تخلیہ میں چلے گئے ہوں۔ ان کی پوری زندگی اسلامی اور عوامی تھی۔ وہ صرف عالم دین نہ تھے... بلکہ ایک قائد تھے وہ مبلغ، مدرس، خطیب، امام اور امیر تھے گویا وہ کثیر الجہات عملی حیات گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنے پیچھے اپنے شاگردوں، دوستوں اور بچوں کو سوگوار چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے سوگ میں جہلم کے تمام بڑے بازار بند رہے اور کاروبار زندگی معطل ہو گیا۔ جنازہ کے ساتھ بانس باندھے گئے تاکہ عقیدتمند کندھا دینے کی سعادت سے محروم نہ رہیں۔

علامہ موصوف حد درجہ ملنسار اور خاکسار تھے۔ زندگی میں اتنے عظیم مقاصد، اعلیٰ مدارج اور اونچے مناصب پانے کے بعد بھی طبعیت میں وہی درویشی قائم رہی جو روزِ اول سے تھی۔ ان سب انعامات اور اعزازات کو صرف اور صرف اللہ باری تعالیٰ کی عنایات سے تعبیر کرتے اور اپنی کسی کاوش کا حوالہ نہ دیتے۔ ملک کے گوشے گوشے میں تبلیغی جلسوں اور کانفرنسوں سے خطاب کرنے جاتے۔ سفر کے اخراجات خود اٹھاتے اور کبھی کوئی رسمی خدمت قبول نہ فرماتے۔ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا معیارِ زندگی اوسط درجے سے کبھی بلند نہ ہونے دیا۔ جامعہ کے اندر ان کی رہائش گاہ پر اثاث البیت معمولی درجے کا رہا۔

دوست پروری میں اپنی مثال آپ تھے۔ جماعتی، مسلکی اور اسلامی رعایات کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھتے۔ جس بات کا جواب دینا مناسب خیال نہ فرماتے مسکرا دیتے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے جانشین حافظ عبدالحمید عامر صاحب کو حق جانشین کما حقہ، پورا کرنے کی ارزانی فرمائے۔ آمین

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

اِک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

تحریر: جناب طارق شاہ محمد علوی ۔ دوحہ۔ قطر

یہ قانونِ فطرت ہے کہ جو کوئی بھی دنیا میں آتا ہے، جانے کیلئے آتا ہے۔ موت ایک ایسا جام ہے جس کو انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور صلحائے امت رحمہم اللہ نے بھی پیا اور یہی نہیں بلکہ بڑے بڑے شہ زور پہلوانوں نے بھی اس کا مزہ چکھا ہے۔ موت کی اس حقیقت سے کسی انسان کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ توحید کا منکر اور امتِ مسلمہ میں شامل بھی نہ ہوا ہو۔

موت جب بھی کسی انسان پر آتی ہے تو یقیناً اس کے اردگرد کے ماحول کو ہمیشہ کی طرح ویران کر جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا حادثہ ہوتا ہے کہ جس کا اثر وہاں تک جاتا ہے، جہاں تک اس شخصیت کی محبت کا جال پھیلا ہو۔ اکثر مرنے والے تو صرف چند لوگوں کیلئے صدمہ کا باعث بنتے ہیں مگر بعض ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جو اپنی خدماتِ جلیلہ کے پیشِ نظر اس عالم سے کوچ کر جانے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ جاوید رہتے ہیں اور تادیر ان کی حسین یادیں انسانوں کو تڑپاتی اور دلوں کو گرماتی رہتی ہیں۔

میری اس محبت بھری مگر افسوس زدہ تحریر کا عنوان بھی وہ عظیم شخصیت ہے کہ جن کا نامِ نامی اسم گرامی حضرت علامہ محمد مدنی بن حافظ عبدالغفور رحمھما اللہ ہے۔ ۱۸ فروری ۲۰۰۲ء کے بعد سے صرف جہلم شہر ہی نہیں بلکہ مسلک اہل حدیث کا ہر گھر، ہر فرد اور ہر طبقہ میرے پیارے شیخ کی رحلت پر اداس ہے اور ہر کسی کی آنکھیں اشک بار ہیں۔ غرضیکہ بقول شاعر۔

اک شخص سارے شہر کو اداس کر گیا

علامہ محمد مدنی رحمہ اللہ ایک بلند پایہ مقرر، عالم دین اور باوقار شخصیت کے مالک انسان تھے۔ آپؒ نے مسلک اہل حدیث کی خاطر اپنی جوانی ہی نہیں پوری زندگی کو وقف کیے رکھا اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ وطن سے باہر جا کر مسلک کیلئے جو خدمات سرانجام دیں، مسلک کا کوئی ساتھی انہیں فراموش نہیں کرسکتا۔ خاص طور پر مسلک حق (کتاب وسنت) کی ترویج واشاعت کیلئے مساجد کا ایک طویل جال بچھا کر آپ نے ایک ایسی خدمت سرانجام دی کہ جسے اس سے پہلے نہ کوئی کرسکا اور نہ بعد میں آنے والوں کیلئے یہ آسان ہوگا۔

خالی ہے جام وسبو تیرے بعد

علامہ محمد مدنی کی شخصیت ایک بے مثال شخصیت تھی۔ دوستوں میں دوست اور پرایوں میں ایک با رعب حزب اختلاف تھے۔ آپؒ کی شخصیت میں قیادت کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کہ موجودہ حالات میں ایک قائد میں ہونی چاہییں۔ اس کی مثال تحفظ حرمین شریفین موومنٹ پاکستان کے قائد کی صورت میں آپ نے قائم کی کہ جس وقت ۱۹۹۰ء میں کویت اور مظلوم کویتیوں پر عراقی جارحیت نے قدم جمار کھے تھے، پاکستان کی اکثر مذہبی جماعتیں آمر و جابر صدام حسین کو عصر حاضر کا صلاح الدین ایوبی منوانے کی کوشش میں لگی ہوئیں تھیں، اس وقت بھی علامہ مدنی رحمہ اللہ کی تحفظ حرمین شریفین موومنٹ نے آپؒ کی بھرپور قیادت میں ہر قسم کے مصائب و مشکلات کو بالائے طاق رکھ کر حرمین شریفین کی حرمت و تقدس کو صحیح معنوں میں عوام کے دلوں میں اجاگر کرواتے ہوئے صحیح اسلامی تشخص کی پہچان کروائی اور ان باطل قوتوں کی آواز کو دبا کر رکھ دیا کہ جو وقت اور حالات کا فائدہ اٹھا کر سعودی عرب کی موحد حکومت، کو بدنام کرنے کی سازش میں لگے تھے۔

شیخ محترم کے والد اور جماعت کے عظیم سپوت اور بزرگ مولانا حافظ عبدالغفورؒ نے جب جہلم شہر میں جامعۃ العلوم الأثریہ کی بنیاد رکھی تھی، اس وقت کوئی یہ نہ جانتا تھا کہ پاکستان کے اس نسبتاً چھوٹے شہر میں قیام پذیر یہ جامعہ نہ صرف ملکی اور بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس طرح تعارف کرا سکے گا کہ جس طرح آج اس جامعہ کا تعارف عام ہے۔ یقیناً شیخ محترم نے اپنے والدؒ کی وفات کے بعد جس انداز سے جامعہ علوم أثریہ کی بناء اور تعلیمی معیار کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق استوار کیا، اس کا اندازہ جامعہ علوم أثریہ میں جا کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ کئی چھوٹے چھوٹے مدارس و مساجد نہ صرف جہلم شہر میں بلکہ ملک کے دیگر شہروں میں بھی قائم کئے کہ جن میں مسلک حق کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ بڑے زور شور سے جاری ہے۔

علامہ محمد مدنی رحمہ اللہ دوحہ قطر میں

دوحہ قطر جو کہ خلیج کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے اور جہاں پر پاکستانی اردو جاننے والے حضرت کی ایک کثیر تعداد کاروبار اور روزگار کے سلسلے میں قیام پذیر ہے، اس چھوٹے سے قطعۂ اراضی پر علامہ محمد مدنی رحمہ اللہ کی پہلی بار آمد ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔ والد محترم جناب ڈاکٹر شاہ محمد علوی صاحب جو عرصہ تقریباً ۳۲ سال سے دوحہ میں وزارۃ الصحۃ کے ملازم ہیں، دوحہ میں آنے والے ہر پاکستانی، بھارتی اور نیپالی (غیر عرب ہم مسلک شخصیت) کے ساتھ عند اللہ ماٴجور ہونے کی غرض سے بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ اس وقت بھی

الشیخ کی آمد پر ملاقات کی خاطر دوحہ میں مرکز الدعوۃ والارشاد (سعودی عرب) تشریف لے جاتے ہیں، جہاں پر شیخ مہمان کی حیثیت سے قیام پذیر تھے۔ بعد ازاں مختصراً یہ کہ دوستی اور رفاقت کا ایک وہ دور شروع ہوتا ہے کہ جسے شاعر کی زبان میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے ؎

جن کی رفاقتوں کو نہ بھولے گا دل کبھی　　تنہا ہمیں وہ چھوڑ کر نہ جانے کدھر گئے

علامہ محمد مدنی رحمہ اللہ دوحہ آرہے ہوں یا والد محترم اسلام آباد جارہے ہوں، دونوں بزرگ ایک دوسرے کے استقبال کیلئے ضرور ائرپورٹ جایا کرتے تھے۔ دوحہ قطر میں آپؒ کی جب بھی آمد ہوتی، ہم سب بھائی آپؒ کے استقبال کیلئے دوحہ ائرپورٹ جاتے۔ دوحہ میں جب بھی آتے تو ہمارے ساتھ ہی رہتے۔ صبح کے وقت علماء وشیوخ سے ملاقاتیں ہوتیں جبکہ شام کو دینی درس اور کھانے کی مختلف دعوتوں میں شرکت کرتے جو بعض عرب اور غیر عرب ہم مسلک ساتھیوں کی طرف سے دی گئی ہوتی تھیں۔ قائدِ ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کے بعد آپؒ کی شخصیت وہ پہلی مرکزی شخصیت تھی کہ جس نے دوحہ میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا ہو۔ کم وبیش اب تلک آپؒ نے دس بار دوحہ قطر کا دورہ کیا اور ماسوائے آخری بار کے ہر دورہ میں پانچ سے سات کے درمیان دینی دروس دیئے۔ آپؒ کی تقاریر کا ایک خاص انداز تھا اور خصوصاً جب قرانی آیات ترجمہ کے ساتھ اپنی خاص میٹھی سریلی آواز میں تلاوت کرتے تو عموماً سامعین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلتیں۔ دوحہ میں اردو جاننے والا ایک بڑا طبقہ آپؒ کا مداح تھا اور جب بھی آپؒ کی آمد سے قبل اشتہارات لگتے تو ہمیں یہ احساس ہوتا کہ لوگ شیخ کی تقریر سننے کیلئے مشتاق ہیں۔ آپؒ کے فن خطابت میں ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اپنے تو اپنے پرائے بھی آپؒ کی تقاریر سننے آتے تھے ؎

دلوں کو کرتی تھی تسخیر گفتگو اس کی　　ہر ایک شخص کو رہتی تھی آرزو اس کی

یقیناً انسان چلا جاتا ہے مگر اپنی یادوں کا ایک ہجوم پیچھے رہنے والوں کیلئے چھوڑ جاتا ہے۔ مجھے اس ضمن میں شیخ کی ایک بات یاد آرہی ہے کہ جب آخری مرتبہ دوحہ آئے تھے، ایک دن میں، بھائی جان محمد فاروق اور خالد شیزان ہوٹل (دوحہ) کے ساتھ منسلک باغیچے میں بیٹھے سیخ کباب اور مرغ روسٹ سے لطف اندوز ہورہے تھے کہ اچانک سیخ کی زبان پر سے وہ کلمات نکلے کہ جن کا احساس زیادہ ہورہا ہے۔ پنجابی زبان میں کہنے لگے کہ یار کاش! کتنا ہی اچھا ہو کہ ہم لوگ جنت میں بھی مل بیٹھ کر اسی طرح لذت کے ساتھ کھا رہے ہوں۔